غربت عجیب سزا

ذاکرہ شبنم

کے جی ایف، کرناٹک، موبائل: 9916772774

رات کے نو بج رہے تھے، ٹرین جیسے ہی اسٹیشن پر رکی سبھی قلی ٹرین کی جانب دوڑ پڑے، ان میں جمال بھی تھا، بیچارہ جمال صبح سے دو چار روپے کمانے کی کوشش میں اس طرح ہر ایک ٹرین کے رکنے پر اترنے والے مسافروں کی جانب دوڑ پڑتا تاکہ کوئی اسے اپنا بوجھا دے تو کچھ پیسے مل جائیں۔ اس سے اس کی اور اس کی بیٹی کی بھوک کچھ تو مٹ جائے گی، لیکن کوئی اُسے اپنا سامان اُٹھانے کے لیے دینے کو تیار ہی نہ ہوتا۔ ہر بار اسے ناکامی اور مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑتا...... جمال بھی کبھی جمال خان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ بھی کبھی اپنے وطن کی ایک اسٹیل فیکٹری میں نوکری کیا کرتا تھا۔ اس کی بھی ایک عدد بیوی اور دو بچے تھے۔ ایک خوشحال کھاتا پیتا گھر تھا، مگر اچانک اس کے شہر میں زبردست سیلاب آیا جو اپنے ساتھ بہت کچھ بہالے گیا، جس کے بہاؤ میں اس کی بیوی اور جوان بیٹا بھی بہہ گئے۔ جمال اور اس کی چودہ سالہ بیٹی کسی طرح بچ نکلے، اپنے وطن، اپنے شہر کو چھوڑ کر وہ مارے مارے پھرتے رہے۔ اس طرح بہت دور نکل آئے۔ اس شہر کے بالکل آخری سرے پر پختہ سڑک کے کنارے ایک بہت ہی قدیم قبرستان کے ایک کونے میں جمال نے جگہ جگہ سے گھاس پھوس اور لکڑیاں اکٹھا کر کے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی تھی۔ اب کچھ دنوں سے اس جھونپڑی میں باپ بیٹی رہ رہے تھے، مگر سب سے بڑا سوال اب جمال کے آگے دو وقت کی روٹی کا تھا۔ وقت سے پہلے وہ بہت بوڑھا اور کمزور دکھائی دینے لگا اور بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ بھٹکتے ہوئے وقت کی گردش سے بیچارے جمال کی زندگی بدحال ہوگئی تھی۔ اسے اپنے سے زیادہ اپنی بیٹی کی فکر اندر ہی اندر کھائے جارہی تھی، اس کے یہاں تین دنوں سے فاقہ تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی بھوک برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ جب بھی کوئی ٹرین سے مسافر اپنا سامان لیے اُترتا وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ جاتا اور اُن مسافروں سے التجا کرتا کہ......

مجھے اپنا سامان دے دو جتنی دور کہو اُٹھا دوں گا، بدلے میں جتنا آپ مناسب سمجھو مجھے دے دینا، مگر افسوس کہ ہر کوئی اسے یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا۔ بابا تم تو بہت بوڑھے اور کمزور ہو چلے ہو، یہ سامان تو بہت بھاری ہے تم نہیں اُٹھا پاؤ گے اور وہ لوگ کسی جوان قلی کو آواز دیتے آگے بڑھ جاتے، غریب اور مجبور جمال منت سماجت ہی کرتا رہ جاتا......اسی طرح کئی دنوں سے یہی سلسلہ چل رہا تھا۔ آج اس نے اپنی پیاری سی نازک بھوکی بیٹی کا خیال کرتے ہوئے یہ طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو وہ آج خالی ہاتھ نہیں جائے گا، کسی بھی طرح دو چار روپے کما کر اپنی بھوکی بچی کے لیے روٹی لے کر ہی جائے گا......

ایک بھاری بھرکم آدمی ٹرین سے جیسے ہی اترا وہ دوڑتا ہوا جا کر اس کا بوجھا چھیننے لگا، بابو جی یہ مجھے دے دو میں اسے اُٹھا دوں گا، دو تین دنوں سے میرے گھر میں فاقہ ہے۔ میری بچی بھوکی ہے، آپ جو مناسب سمجھیں مجھے پیسے دے دینا، سامان کافی وزنی ہونے کی وجہ سے مسافر جمال کو دیکھتے ہی کہنے لگا ارے یہ تو بہت بھاری ہے تم بہت کمزور ہو تم یہ نہیں اُٹھا پاؤ گے۔ چھوڑ دو اسے، میں کسی دوسرے کو بلا لوں گا، جمال کے تو آنسو نکل پڑے، ایسے نہ کہیے بابو جی میری بچی بھوک سے مرجائے گی میں اسے اُٹھا سکتا ہوں آپ کہیے تو سہی کہ اسے کہاں تک پہنچانا ہے، مگر اس آدمی نے جمال کی ایک نہ سنی اپنا سامان دوسرے کے سپرد کر کے جمال کے ہاتھوں میں کچھ روپے رکھتے ہوئے یہ کہہ کر چلتا بنا کہ بابا تم میری بات مانو یہ پیسے رکھ لو اور اس سے اپنی بچی کے لیے کچھ کھانا خرید کر لے جاؤ ...... جمال کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں اور اس کے ہاتھ بوجھا اُٹھانے کے لیے پھیلے کے پھیلے رہ گئے جس میں کچھ روپے رکھ دیے گئے اور وہ جاتے ہوئے اس آدمی کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس درمیان اسے اس بات کا بھی ہوش نہیں رہا کہ اسے لوگ بھکاری سمجھ کر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں کچھ سکے ڈالے جارہے ہیں، جب اسے اس بات کا احساس ہوا تو وہ چلانے لگا کہ میں بھکاری نہیں ہوں مجھے بھیک نہیں چاہیے، میں محنت مزدوری کرنا چاہتا ہوں، آپ لوگ مجھے موقع کیوں نہیں دیتے، وقت اور حالات، غریبی اور مفلسی نے مجھے اس طرح کمزور بنا دیا ہے ورنہ

میں بھی محنت مزدوری کر سکتا ہوں...... جمال کو بھیک لیتے ہوئے بہت برا لگا، اس نے چاہا کہ یہ پیسے اسی وقت وہیں پر پھینک دے، مگر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی معصوم بھوکی پیاسی بیٹی کا چہرہ گھومنے لگا، پھر وہ دل مضبوط کر کے ان روپیوں سے روٹی وغیرہ خرید کر لے آیا اور اپنی بیٹی کے سامنے رکھ کر کہنے لگا لو بیٹی اسے کھالو تین دنوں سے تم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے، وہ کہنے لگی بابا میرے ساتھ آپ بھی تو بھوکے ہیں مگر یہ بتائیے۔ ان چیزوں کے لیے آپ کو پیسے کہاں سے ملے، کیا کوئی کام مل گیا؟

...... جمال اپنی بیٹی کے اس سوال پر چونک پڑا اور اس معصوم سے جھوٹ نہیں بول سکا، اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ سب سننے کے بعد وہ کہنے لگی بابا آپ ہی تو ہمیں کہا کرتے تھے کہ بھیک لینا بری بات ہے، محنت مزدوری کر کے کھانا چاہیے ورنہ فاقہ ہی اچھا ہے، ہم یہ بھیک سے خریدی ہوئی روٹی نہیں کھائیں گے۔ بھلے ہی بھوک سے مرجائیں اور پھر اس نے ایک ہی سانس میں لوٹا بھر پانی پی لیا اور اپنے بابا کو بھی پانی بھرا لوٹا پینے کے لیے تھما دیا۔

جمال کو بیٹی کی اس حرکت سے بہت شرمندگی محسوس ہوئی، وہ آنسوؤں کے گھونٹ پی کر رہ گیا، آج کی رات بھی پیٹ کی آگ پانی ہی سے بجھائی گئی، ساری رات آنکھوں میں کٹی، صبح سویرے جمال اُٹھ کر قبرستان میں اس جھونپڑی کے باہر بیٹھا انہی سوچوں میں غرق تھا کہ آج کیا کرے کس طرح دو چار روپے کمائے، کوئی بھی تو کچھ کام دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، وہ یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ قبرستان میں کچھ لوگ آئے اور ایک قبر کے سامنے فاتحہ خوانی کے بعد بہت سارے پھول اس قبر پر ڈال کر چلے گئے۔ یہ دیکھتے ہوئے جمال کے دماغ میں اچانک خیال آیا، اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا، جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ سبھی جا چکے ہیں وہاں پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے تو وہ پھرتی کے ساتھ اس پھولوں سے ملبوس قبر کے پاس پہنچ گیا اور پل بھر میں سارے تازہ بکھرے پھول چن لیے اور جلدی سے اپنے کاندھے پر پڑے بوسیدہ سے تولیے میں ڈال لینے کے بعد دو چار گھروں میں جا کر انہیں بیچ دیا جس سے چند روپے اُسے مل گئے اور ان روپیوں سے کھانے کی کچھ چیزیں خرید کر وہ اپنی بیٹی کے پاس دوڑا چلا آیا جو بھوک کی آگ کو صرف پانی سے ٹھنڈا کرتے ہوئے ابھی تک نیند کی آغوش میں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے بیٹی کو جگایا، اُٹھ بیٹی دیکھ میں تیرے لیے کھانے کو کیا لے کر آیا ہوں، وہ معصوم ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھی، بھوک سے اس کا من کھانے کی چیزوں کو دیکھ کر للچا رہا تھا، پھر بھی اس نے اپنے بابا سے پوچھا کہ یہ سب کہاں سے آیا ہے،

مگر جمال نے اسے جلدی یہ بتا کر ٹوک دیا، بیٹی یقین کر کہ یہ بھیک سے لائی ہوئی روٹی نہیں ہے تیرے لیے بس اتنا جان لینا کافی ہے، چل شروع کر اب ہم دونوں پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں۔ پھر نہ جانے کب ہمیں کھانا نصیب ہو، دونوں نے سیر ہو کر کھا لیا......

بھوک انسان کو کس قدر مجبور اور بے بس بنا دیتی ہے۔ بھوک کے آگے انسان کا بس نہیں چلتا۔ جب اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا تو پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کوئی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو کوئی چوری کرنے پر اتر آتا ہے۔ جمال کی سمجھ میں جب کچھ نہیں آیا تو اس نے بھیک مانگنے کے بجائے چوری کو ترجیح دی...... چاہے وہ قبروں پر بکھرے پھولوں کی چوری ہی کیوں نہ ہو، مگر پھول بھی تو جمال کو روزانہ نہیں مل سکتے تھے۔ کبھی کبھار ہی جب قبروں پر پھول ڈالے جاتے تو وہ انہیں حاصل کر پاتا، چنانچہ ایک اور کام کو اس نے اپنا لیا۔ جب کوئی اپنے رشتہ دار کی قبر پر زیارت وغیرہ کے لیے چلا جاتا تو اس کی اجازت سے وہ بوسیدہ قبروں کی اپنے ہاتھوں سے مرمت کر دیتا اور اس کے بدلے میں اہل قبور خوش ہو کر کچھ روپے دے دیتے، مگر ظاہر ہے یہ سب کام تو روزانہ کے نہیں تھے، موت وحیات تو اللہ کے ہاتھ ہوتی ہے، جب دو چار دن یا کچھ دن کوئی قبرستان کی طرف نہیں آتا تو جمال اور اس کی بیٹی کو فاقے ہی کرنے پڑتے۔

ایک دن جمال کی بیٹی بخار سے تپ رہی تھی۔ دو دنوں سے گھر میں فاقہ تھا، اس معصوم کے پیٹ میں کچھ بھی نہیں تھا اور اوپر سے بخار نے آگھیرا تھا، جمال پریشان ادھر سے ادھر بے چینی سے پھرتا رہا، پھر وہ اپنی بیٹی کو سرکاری دواخانے لے گیا، جہاں پر ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد مفت میں دوا تو دے دی، مگر جمال کو سختی سے تاکید کی کہ دوا خالی پیٹ ہرگز مت دینا، اپنی بچی کو بریڈ (روٹی) وغیرہ کھلانے کے بعد ہی دوا دینا...... وہ دواخانے سے دوا لے کر اپنی بیٹی کو لے آیا اور صبح سے رات تک مارا مارا پھرتا رہا، مگر چند روپیوں کا بندوبست نہیں کر پایا...... جب اپنی بچی کو بخار میں تپتے ہوئے دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔ کھلانے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، رات کے بارہ بج رہے تھے، وہ معصوم بخار سے تڑپ رہی تھی، جب بیٹی کی یہ تڑپ باپ کو دیکھی نہیں گئی تو اس نے یہ سوچ کر دوا بچی کو کھلا دی کہ کسی طرح اس دوا کے کھانے سے تھوڑا بہت بخار اتر جائے گا۔ پھر صبح ہوتے ہی وہ کسی بھی طرح کچھ نہ کچھ بندوبست کر کے کچھ نہ کچھ اس کو کھلا دے گا، دوا دینے کے بعد وہ معصوم جو پہلے سے ہی نڈھال تھی کچھ ہی دیر میں سو گئی، جمال کو کچھ تسلی ہوئی کہ وہ آرام کر رہی ہے۔ دوا کے اثر سے بخار بھی اتر

جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو قبرستان میں کچھ لوگ اپنے رشتہ دار کی قبر کے پاس آئے جو بہت بوسیدہ ہو چلی تھی، ان لوگوں کو دیکھتے ہی جمال دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا اور ان سے کہہ کر اس قبر کو جلدی جلدی اپنے ہاتھوں سے مٹی کے ذریعہ ٹھیک کرنے لگا اور اچھی خاصی مرمت کر دی، وہ لوگ خوش ہو گئے اور جمال کے ہاتھوں میں کچھ روپے رکھ دیے، ان روپیوں کو لیتے ہی وہ جلدی سے جا کر بریڈ لے آیا، آتے ہی اپنی سوئی ہوئی بیٹی کو آواز دے کر جگانے لگا، بیٹی دیکھ میں تیرے لیے روٹی لایا ہوں اُٹھ جا اسے کھا لے، مگر اس معصوم کو جگانے کی جمال کی ہر کوشش ناکام اور بے سود رہی، وہ تو ہمیشہ کے لیے سو چکی تھی، اب وہ کہاں سے جاگ پاتی، اسے اس بے درد دنیا سے، بھوک پیاس سے ہر طرح سے نجات جو مل گئی تھی، جمال چیختا رہا، چلاتا رہا، آنسو بہاتا رہا، مگر اس معصوم کی سانسوں کی ڈور اسی وقت ٹوٹ چکی تھی، جب اس نے رات میں خالی پیٹ دوا لے لی تھی......

جمال بالکل تنہا اپنی بچی کی قبر کے پاس ہر وقت بیٹھا خالی خالی نگاہوں سے قبر کو تکتا رہتا۔ اسے نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پانی کا خیال، اسی طرح گھنٹوں بیٹھا آنسو بہاتا رہتا۔ معمول کے مطابق اپنوں کی قبروں کا حال دیکھنے اور ان کی مرمت کروانے کے لیے کچھ لوگ قبرستان آئے، جب انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ ہمیشہ ان کے آتے ہی دوڑا چلا آنے والا جمال آج کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کی نگاہیں جمال کو تلاش کرنے لگیں تو انہیں ایک قبر کے پہلو میں کوئی بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ قریب جا کر دیکھنے پر انہیں معلوم ہوا کہ جمال ہی بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ انہوں نے جمال کو آواز دی، بابا آپ یہاں بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں، ویسے جب کبھی ہم یہاں آتے تو آپ ہمارے پیچھے دوڑے چلے آتے تھے، قبروں کی مرمت کرنے کے لیے، آج یہاں کیوں بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں، یہ کس کی قبر ہے، کیا آپ کا کوئی رشتہ دار مر چکا ہے؟

جمال زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگا۔ نہ بھیا یہ میرا رشتہ دار تھوڑی ہے یہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جو مجھ سے جدا ہو گیا، یہ میری معصوم بچی ہے جو مجھے چھوڑ کر چلی گئی، یہی تو میرے جینے کا واحد مقصد تھی۔ میری غریبی نے اسے مار دیا۔ بخار سے تپ رہی تھی، ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ کچھ کھلانے کے بعد اسے دوا دینا، مگر میں ناکارہ ایک بریڈ کا انتظام نہیں کر سکا، بخار اُتر جائے یہی سوچ کر میں نے اسے رات میں دوا کھلا دی کہ صبح ہوتے ہی میں روٹی کا انتظام کر کے اسے کھلا دوں گا، مگر دوا لینے کے بعد وہ جیسے سوئی ویسے ہی سوتی رہی پھر وہ نہیں جاگ پائی۔ غریبی اور مفلسی نے اسے مار دیا، بھیا اسے مار دیا، بھوک کے زہر نے اس کی جان لے لی۔ صرف وقت پر ایک روٹی کے نہ ملنے سے اس کی جان چلی گئی، میں اب کس کے لیے جیوں کس کے لیے کچھ کروں؟ اب میرے جینے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہا، میں چاہتا ہوں اسی طرح ہر پل یہاں بیٹھا رہوں اور بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر ایک دن مر جاؤں، جس طرح میری بچی نے دم توڑ دیا تھا، میں بھی اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، وہ روئے جا رہا تھا...... روئے جا رہا تھا...... جمال کی باتیں سن کر وہ سبھی چپ چاپ غریب اور مفلسی کی اس جیتی جاگتی مجبور اور بے بس تصویر کو دیکھتے ہوئے سر جھکائے واپس چلے گئے۔

◆◆◆

ضروری اطلاع

''ایوانِ اردو، دہلی اور ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' کو کثیر تعداد میں قلمکاروں کی نگارشات موصول ہوتی ہیں۔ تمام قلمکاروں کو جواب دینا ممکن نہیں ہوتا، جو تخلیقات برائے اشاعت منظور کر لی جاتی ہیں، ان کو حتی الامکان جواب دے دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو منظوری کا جواب موصول ہو جائے وہ اپنی تخلیق دوسری جگہ برائے اشاعت روانہ نہ فرمائیں، جو قلمکار ایسا کرتے ہیں یہ ادبی اور اخلاقی بددیانتی ہے۔ ادارہ ایسے قلمکاروں کو 'بلیک لسٹ'' کرنے میں حق بہ جانب ہوگا۔

قارئین سے گزارش

اردو اکادمی، دہلی سے شائع ہونے والے رسالے 'بچوں کا ماہنامہ امنگ' اور 'ایوانِ اردو' دہلی اپنی مقبولیت کے سبب ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچتے ہیں، لیکن پھر بھی بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انھیں رسالہ نہیں ملا۔ وہ پہلے اپنے ڈاک خانہ سے رجوع کریں اور اپنا اندراج نمبر اور پتا دفتر میں فون کر کے چیک کرائیں۔ ساتھ ہی اپنے احباب اور متعلقین کو دونوں رسالوں کے خریدار بنائیں۔ تاکہ اردو کے فروغ میں آپ کی بھی حصّہ داری ہو سکے۔

توجہ طلب

- قلمکار حضرات اپنی ہر تخلیق کے ساتھ اپنا پاس بک میں درج نام انگریزی میں اسپیلنگ کے ساتھ ضرور لکھیں۔ اپنا مکمل پتا، پن کوڈ اور رابطے کے لیے فون نمبر بھی ضرور درج کریں۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ